اداریہ

اسلام اور حریت نسواں

انیس احمد

اسلام میں خواتین کا مقام و کردار' مغرب زدہ اور مغربی مستشرقین کا ایک طویل عرصہ سے پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ مسلمانوں اور عالم اسلام پر ہونے والی عصری تحقیقات میں عموماً" مسلم خواتین کے حقوق اور پسماندگی کا ذکر بعض اوقات شرارتاً" ' کبھی طنزاً" اور کبھی تاریخی تناظر میں کیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی صدی میں جتنا زور قلم قرآن کریم کے وحی من اللہ ہونے یا حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی صادق و آخرالزماں ہونے پر شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے صرف کیا جاتا تھا آج اس سے کچھ زیادہ قوت کے ساتھ اس بات پر صرف کیا جارہا ہے کہ مسلم ممالک میں ایک روایتی پدرانہ نظام (Patriarchal)' ایک برنبائے جنس تفریق اور تقسیم کار1(Sexual division of labor) کے نتیجہ میں خواتین کے مفادات کو شعوری طور پر' مردوں کی برتری اور اجارہ داری کے قیام کے لیے قربان کیا جارہا ہے اور خواتین ایک نیم غلامانہ فضا میں مردوں کے جبر و اختیار کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔

اس نام نہاد حقیقت واقعہ کو ایک عموم کی شکل دیتے ہوئے اور مسلم خواتین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے حجاب' گھریلو وظائف کی ادائیگی اور تجارتی مراکز میں بطور انتظامی شرکاء عدم موجودگی کو علاماتی طور پر ان کی کمتری' مظلومیت اور بدحالی کا مظہر قرار دیتے ہوئے اس صورت حال کا تقابل مغربی ثقافت و تہذیب میں آزادی نسواں کی تحریک سے کیا جاتا ہے اور عام طور پر یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جس طرح مغرب میں سفید فام نسلیت و طبقاتی نظام پر مبنی معاشرہ کے خلاف ردعمل کا اظہار برتری نسواں (Feminism) کی تحریک کی شکل میں ہوا بعینہ اس تاریخ کو مسلم ممالک میں بھی دھرایا جانا چاہئے اور اس عمل میں رہنمائی اور معرفت کے لیے وہ سب طریقے اختیار کرنے چاہئیں' جو عورت نے مغرب میں اپنے آپ کو مرد کے شانہ بہ شانہ بلکہ مرد کے پیش پیش لانے کے لیے اختیار کیے۔

مغرب کی تحریک نسواں اس موقف سے ایک قدم آگے بڑھ کر اب جو منظر پیش کررہی ہے اس میں اصل مسئلہ خواتین کی مساوات کا نہیں ہے' نہ بحث اس چیز سے ہے کہ طبعی اور جسمانی ساخت و وظائف کی بنا پر کوئی تفریق نہ کی جائے بلکہ عالمی طور پر ایک ایسے نظام کا قیام اس کا ہدف بن گیا ہے' جس میں عورت کی اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر ایک تصوراتی global sisterhood کا قیام عمل میں لایا جاسکے2۔ اس کے برخلاف مسلم ممالک میں خواتین کے طرز عمل کا تجزیہ کرتے

وقت یہ بات کہی جاتی ہے کہ معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں ان کا کردار ثانوی اور رجعت پسندانہ ہے اور جب تک جنسی مساوات(gender equality) ہر میدان میں قائم نہ کردی جائے مسلم خواتین کی مظلومیت اور بے اثری (marginalization) میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

خواتین کے ساتھ ناانصافی اور ان پر جبر کے حوالے سے "مسلم بنیاد پرستی"[3] کو اس ناکردہ گناہ کے لیے مطعون کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ مسلم خواتین کو حجاب پر مجبور کرنا خواہ وہ انتفادہ کے نام پر ہو یا الجزائر میں اسلامی تحریک کے خوف سے ہو یہ خواتین کو آزادی عمل سے محروم کرنے کے مترادف ہے[4]۔

گفتگو کو آگے بڑھانے کے لیے اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ مغربی تحریک حریت نسواں جس طرح مغربی تہذیب کی سفید نسل پرست مردانہ اجارہ داری کے خلاف ایک رد عمل کے طور پر ظاہر ہوئی اپنی فلسفیانہ بنیاد پر مسلم ممالک میں بھی خواتین کو اپنے آپ کو منظم کر کے انہی حربوں کو استعمال کرنا چاہیے جو ان کی عالمی بہنوں کی برادری (global sisterhood) نے استعمال کیے تو بہرصورت ہمیں بعض تاریخی حقائق پر معروضی طور پر غور کرنا ہوگا۔

اگر اسلامی احیائی تحریکات (Islamic Revivalist Movements) فی الواقع خواتین کو گھروں میں مقید دیکھنا چاہتی ہیں اور اپنے معاشرتی حقوق کو نظر انداز کرتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ الجزائر کی تحریک حریت میں وہاں کی باحجاب خواتین نے آگے بڑھ کر قربانیاں پیش کیں' ایرانی انقلاب میں حجاب کے ساتھ خواتین نے بندوق ہاتھ میں لی اور رضا شاہ نے جس طرح قوت کے استعمال سے اس کا حجاب اتروایا تھا اپنی پسند اور مرضی سے دوبارہ حجاب کی روایت کو زندہ کیا۔ کیا سبب ہے کہ امریکہ یورپ اور جنوب مشرقی ایشیا کے مختلف جغرافیائی ' معاشی' سیاسی و ثقافتی پس منظر میں تعلیم یافتہ خواتین میں چہرے اور ہاتھوں کو چھوڑ کر تمام جسم کو ڈھانکنے کا رواج ۱۹۸۰ سے ۱۹۹۰ کے عشرے میں کہیں انتہائی سرعت سے پھیلا۔ کیا اس کے پیچھے خوف' جبر' تشدد اور "بنیاد پرستی" کا ہوا تھا یا ملائشیا جیسے ترقی پذیر اور ملی جلی معاشی و معاشرتی صورت حال میں مسلم خواتین نے اپنے تشخص' اپنی روایات اور مغربی سامراج سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لیے اس روایت کو اختیار کیا اور شرعی اسکارف کے استعمال کے ساتھ ملکی ترقی معاشرتی' سیاسی اور معاشی معاملات میں ہر قدم پر اپنا کردار ادا کیا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ جب بھی خواتین کے حقوق کا ذکر آتا ہے' مسلم ممالک کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ ان میں خواتین کی صورت حال سخت ناگفتہ بہ' قابل رحم اور ہمدردی کی مستحق ہے[5]۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ تحریکات اسلامی نے دنیا کے ہر خطہ میں چاہے وہاں تعداد کے لحاظ سے مسلمان اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں' خواتین کے مسائل اور ان کو اسلام کے دیے ہوئے حقوق کے لیے منظم جدوجہد خود خواتین کے تعاون سے کی ہے۔ مثلاً" مصر میں اخوان المسلمون اور پاکستان میں جماعت اسلامی نے عائلی قوانین ہوں یا سیاسی احتجاج' خواتین کو شانہ بشانہ کام کرنے کے مواقع فراہم کیے لیکن مغرب زدہ اور مغربی مستشرقین کی نگاہ "حقیقت بین" نے آج تک اس پہلو کو نہ محسوس کیا اور نہ محسوس کرنے کی ضرورت سمجھی۔ معروضی طور پر' بغیر کسی معذرت کے یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے اپنے نظام معاشرت' معیشت' سیاست اور قانون میں اخلاقی اقدار کو بنیاد بناتے ہوئے جنسی تفریق یا فوقیت کو ایک طرف رکھ کر صرف افراد کے اخلاقی رویہ کی بنا پر دنیا اور آخرت میں جزا و سزا کا نظام تجویز کیا ہے۔ اس نظام میں ایک خاتون اپنی مکمل نسوانیت کے ساتھ ایک قوت مردانگی سے بھرپور فرد کے مقابلہ میں زیادہ اجر اور ثواب کی حقدار بن سکتی ہے اور اس کی جنس کہیں درمیان میں حائل نہیں ہوتی۔

یہ موضوع جس تفصیل کا مستحق ہے اداریہ کے محدود صفحات میں اس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ اگر نصوص قرآن وسنہ اور مسلم مفکرین اور علماء کے خیالات کا جائزہ لیا جائے تو ہماری اس رائے کی صداقت مزید واضح ہو جائے گی۔ آخر میں ہم صرف یہ کہیں گے کہ جس طرح مرد کی مطلق فوقیت کے دعویدار اپنی بات کے لیے کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتے اسی طرح عالمی بہناپے (global sisterhood) کی علمبردار خواتین عورت کی فوقیت و سربراہی کی بات کرتے وقت یہ بھول جاتی ہیں کہ ان کا نعرہ خالصتاً" ایک طبقاتی' نسلی اور جانبدارانہ دعویٰ کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی شدت کے لحاظ سے نسوانی بنیاد پرستی (Feminist Fundamentalism) کا مظہر ہے۔ حق و انصاف کا تقاضہ ہے کہ نسوانی بنیاد پرستی اور مغربی فوقیت مرد' دونوں تصورات سے آگے بڑھ کر اسلام کے عادلانہ اخلاقی نظام کے خدوخال کو نصوص قرآن وسنہ کی روشنی میں سمجھا جائے۔ خالق کائنات اور رب الکریم جنسی نسلی عصبیت سے بلند اور پاک ہستی ہونے کے سبب قرآن اور رسول کے ذریعہ کوئی ایسی تعلیم و ہدایت نہیں دے سکتے جس کی بنیاد جنسی فوقیت ہو۔ یہی اسلام کا اعزاز وامتیاز ہے جو اسے محدود انسانی فکر کے مقابلہ میں آفاقی' ابدی' قطعی اور حقیقی ہدایت ثابت کرتا ہے۔

نسوانی بنیاد پرستی (femenist) تحریک جن موضوعات پر نہ صرف اسلام بلکہ معلوم انسانی ثقافتوں کے معروف تصورات سے اختلاف کرتی ہے وہ بنیادی طور پر یہ ہیں اولاً" مرد اور عورت کی جنسی بنیاد پر یکسانیت' ثانیاً" عورت کا قانونی طور' پر ماں بننے سے انکار کا حق' ثالثاً" عورت کا ایک سے زائد افراد سے ایک ہی وقت میں ازدواجی تعلق قائم کرنا' رابعاً" جنسی یکسانیت کی بنا پر

مختلف شعبہ ہائے حیات میں کام کرنے کا حق' خاصا" اپنی سیاسی تنظیم بندی کرنے اور عورتوں کی نمائندگی کے لیے صرف عورتوں کو قیادت کے منصب پر لانا۔ ان پانچ اعتقادی ستونوں کو کھڑا کرنے کے لیے منطقی طور اس بات کی ضروت ہوگی کہ مسلم معاشرے سے مروجہ معاشرتی' اخلاقی' معاشی اور سیاسی اقدار کو اکھاڑ کر نسوانی بنیاد پرستی کے پانچ ستونوں پر ایک نئی عمارت تعمیر کی جائے۔

یہ عمل کہاں تک تعمیری ہے اور کہاں تک تخریبی' کیا یہ نسل انسانی کی بقاء و ترقی کی ضمانت دیتا ہے' یا نسل انسانی کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہے' کیا یہ عمل جنسی اخلاقیات اور خصوصا" اسلام کی اعلیٰ آفاقی معاشرتی اقدار کی جگہ جنسی بے راہ روی کو فروغ دیتا ہے' نسوانیت کے نام پر یہ تحریک مرد کو مغلوب کرے یا نہ کرے لیکن یہ کہاں تک مقاصد انسانیت سے مطابقت رکھتی ہے؟ ہمارے خیال میں ان اہم پہلوؤں پر ٹھنڈے دل اور گہری فکر کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے۔

حواشی

1. Haideh Moghesse, Populism and Feminism in Iran, New York, St. Martins Press, Inc. 1994, P3

2. S. lovibond, "Feminism and Postmodernism", New Left Review 78, Nov-Dec. 1989, P28

3۔ ملاحظہ ہو اداریہ "مغرب اور اسلام" کا شمارہ 2 (جس میں جائزہ لیا گیا ہے کہ واقعی اس اصطلاح کا کوئی اطلاق اسلام یا تحریکات احیائے اسلام پر کیا جاسکتا ہے؟)

4. R. Hammami, "Women, the Hijab and the Intifada,"Middle East Report, May-Aug. 1990, PP 24-28, also N. Abdo," Women of Intifada: gender, classed national liberation," Race and class 32, 4. April - Jume 1991; B. Cheriet, "The Reselience of Algerian Populism", Middle East Report, Jan-Feb, 1992, PP 13-14

5. V.M. Moghadam, "The Reproduction of Gender inequality in Muslim Societies: Acase Study of Iran in the 1980's" World Development, 19-10-1991, Also N. Haggag Yousef, Women and Work in Developing Socities, Berkelay University of California